تفسیرِ اشاری

حافظ طاہر اسلام عسکری

قرآن و حدیث سے علوم و معارف کے اخذ و استنباط کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ان میں تأمل و تدبر کیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۲۴﴾ (محمّد)

"کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔"

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ)) (۱)

"بسا اوقات وہ شخص جسے حدیث پہنچائی جائے، سننے والے سے زیادہ (حدیث کو) یاد رکھ لیتا ہے۔"

وحی الٰہی کا فیضان ہر فرد و بشر کے لیے عام ہے، لیکن یہ امر بھی معلوم ہے کہ اس سے کسبِ فیض کرنے والے یکساں حیثیت کے حامل نہیں بلکہ اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے:

﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا﴾ (الرعد:۱۷)

"اسی نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا۔"

حبر الامت ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اس قرآنی ارشاد کی توضیح میں فرماتے ہیں کہ یہاں درحقیقت آسمان سے نزولِ قرآن کی خبر دی گئی ہے اور وادیوں سے مخاطبینِ قرآن کے قلوب و اذہان مراد ہیں۔

﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ قال: قرآنا ﴿فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا﴾ قال: الاَوْدِيَةُ: قلوب العباد (۲)

امام ابن کثیرؒ ﴿فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا﴾ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

هو اشارة الى القلوب وتفاوتها فمنها ما يسع علما كثيرا ومنها من لا يتسع لكثير من العلوم بل يضيق عنها (۳)

"اس میں قلوب اور ان کی استعدادِ اخذ و قبول کے تفاوت کی جانب اشارہ ہے۔ بعض دل علوم و معارف کی کثیر مقدار سمیٹ لیتے ہیں جبکہ کچھ دل ایسے ہوتے ہیں جو تنگیٔ داماں کی بنا پر بہت کم علم حاصل کر پاتے ہیں۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

لا ريب ان الله يفتح على قلوب اوليائه المتقين وعباده الصالحين، بسبب طهارة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلوبهم لما يكرهه واتباعهم مما يحبه' ما لا يفتح علی غيرهم وهذا كما قال علیؓ: الا فهما يوتيه الله عبدا فی كتابه ' وفی الاثر: من عمل بما علم ورثه علم ما لم يعلم ' وقد دل القرآن علی ذلك فی غير موضع(٤)

''بلاشبہ اللہ عزوجل اپنے متقی دوستوں اور صالح بندوں کے دلوں پر جو اس کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے قلوب کو پاک رکھتے اور اس کے پسندیدہ احکام و اوامر کی پیروی کرتے ہیں' ایسے علوم و معارف کے دروازے کھول دیتا ہے جن سے دوسروں کو محروم رکھتا ہے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی اسی حقیقت کی جانب اشارہ کناں ہے کہ ''ہاں مگر جو اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی کتاب کا فہم عطا فرمادے''۔ اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''جو اپنے حاصل کردہ علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس شے کا علم بھی عطا فرمادیتا ہے جو وہ نہیں جانتا''۔ قرآن شریف نے بھی اس مضمون کو متعدد مواقع پر بیان کیا ہے۔''

علامہ حافظ ابن قیمؒ فہم شریعت میں لوگوں کے مختلف مراتب و مدارج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والمقصود تفاوت الناس فی مراتب الفهم فی النصوص وان منهم من يفهم من الآية حكمًا او حكمين' ومنهم من يفهم منها عشرة احكام او اكثر من ذلك ومنهم من يقتصر فی الفهم علی مجرد اللفظ دون سياقه ودون ايمائه واشارته وتنبيهه واعتباره(٥)

''مقصود یہ ہے کہ نصوصِ شریعت کے مراتبِ فہم میں لوگوں میں فرق و تفاوت پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ کسی آیت سے ایک یا دو احکام اخذ کرتے ہیں جبکہ بعض اسی آیت سے دس یا اس سے بھی زائد نکات مستنبط کر لیتے ہیں اور کچھ حضرات فہم کے باب میں محض ظاہر الفاظ ہی تک محدود رہتے ہیں' ان کا ذہن نہ اس کے سیاق و سباق اور ایماء و اشارہ کی جانب ملتفت ہوتا ہے اور نہ وہ اس کے اعتبار و تنبیہ ہی کی طرف متوجہ ہو پاتے ہیں۔''

کتابِ الٰہی کی تفہیم و توضیح میں اربابِ تفسیر کی آراء کا تنوع بھی اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ حِکم و بصائر کے اس بحرِ بیکراں سے ہر طالبِ خیر و حکمت اپنے اپنے دامنِ طلب کی وسعت کے بقدر سیراب ہوتا ہے۔ علوم القرآن میں تفسیر کے متنوع اسالیب میں تفسیر اشاری یا صوفیانہ تفسیر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ زیر قلم مضمون میں اسی کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لایا جارہا ہے۔

☆ تفسیر اشاری: معنی و مفہوم

اس سے مراد ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر ظاہری الفاظ کو چھوڑ کر ان اشارات کی روشنی میں کی جائے جو اربابِ صفا پر منکشف ہوتے ہیں لیکن قرآن شریف کے ظاہری معانی کا انکار نہ کیا جائے۔ امام عبدالعظیم الزرقانیؒ لکھتے ہیں:

التفسير الاشاری: هو تاويل القرآن علی خلاف ظاهره ' لاشارة خفية تظهر لارباب السلوك والتصوف ويمكن الجمع بينها وبين الظاهر المراد ايضًا(٦)

''تفسیر اشاری یہ ہے کہ قرآن مجید کے ظاہر کے برخلاف ان خفیہ اشارات کی روشنی میں قرآن کی شرح کی جائے جو اہل سلوک و تصوف کے قلب و ذہن پر وارد ہوتے ہیں۔ اس اشاری تفسیر اور قرآن حکیم کی

ظاہری مراد میں جمع وتطبیق بھی ممکن ہوتی ہے۔"

علامہ محمد علی الصابونی تفسیر اشاری کی تعریف یوں کرتے ہیں:

هو تاويل القرآن على خلاف ظاهره ' لاشارات خفية تظهر لبعض اولى العلم او تظهر للعارفين بالله من ارباب السلوك والمجاهدة للنفس ممن نور الله بصائرهم فأدركوا اسرار القرآن العظيم' او انقدحت فى اذهانهم بعض المعانى الدقيقة ' بواسطة الالهام الهى او الفتح الربانى' مع امكان الجمع بينها وبين الظاهر المراد من الآيات الكريمة (۷)

"اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن حکیم کی تاویل وتوضیح اس کے ظاہری الفاظ کے بجائے ان مخفی اشارات کو سامنے رکھتے ہوئے کی جائے جو اہل علم یا معرفت الٰہی رکھنے والے اربابِ سلوک اور مجاہدۂ نفس میں منہمک اولیائے صالحین کے لیے ظاہر ہوتے ہیں۔ باری تعالیٰ ان نفوسِ قدسیہ کو نورِ بصیرت عطا فرماتا ہے جس سے قرآن شریف کے اسرار وحکم تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے یا الہامِ الٰہی اور فتح ربانی کے ذریعے ان کے قلوب واذہان میں بعض دقیق نکات القا ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ اہلِ معرفت کی نکتہ سنجیوں اور آیاتِ مبارکہ کے ظاہری مفہوم میں جمع وموافقت کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔"

یہاں یہ امر بھی پیش نگاہ رہنا چاہیے کہ ایماء واشارہ سے مفاہیم ومعانی کا اخذ واستنباط محض قرآن مجید کی آیاتِ شریفہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ رسولِ معظم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کی شرح ووضاحت میں بھی اسی طرز پر لطیف نکات اخذ کیے جاسکتے ہیں' جیسا کہ آئندہ آنے والی مثالوں سے واضح ہوگا۔

تفسیر اشاری کی مثالیں

قرآن وحدیث سے ازروئے اشارہ سمجھے گئے بعض لطیف معانی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں' اگرچہ ان پر بحث ونظر کی گنجائش موجود ہے:

(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ ط﴾ (الطلاق:۷)

"کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے اس میں سے (حسب حیثیت) خرچ کرے۔"

یہ آیت کریمہ درحقیقت بیوی کے نان ونفقہ سے متعلق ہے' لیکن اربابِ سلوک وتصوف نے بطریق اشارہ اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ واصل اور سالک ہر دو ہدایتِ خداوندی کی نعمت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں لیکن اپنے اپنے مقام ومرتبۂ معرفت کے بقدر۔ چنانچہ ابن عطاء اللہ کے بقول ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرب ووصل کی لذتوں سے آشنا ہیں (الواصلون اليه) اور ﴿مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ﴾ میں ان لوگوں کی جانب اشارہ ہے جو سیر وسلوک کی ابتدائی منازل میں ہیں (السّائرون اليه)۔ (۸)

(۲) قرآن شریف میں ارشاد ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (التوبۃ:٦٠)

''یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں ظاہراً تو مصارفِ زکوٰۃ کا ذکر ہے مگر اربابِ قلوب اشارۃً اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کرتے ہیں کہ دلوں پر مواہبِ الٰہیہ کا فیضان اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب بارگاہِ ایزدی میں تذلل و مسکنت اور فقر واحتیاج کا اظہار کیا جائے۔(٩)

(۳) رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ ذی شان ہے:

((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ اَوْ صُوْرَةٌ))(١٠)

''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو' فرشتے وہاں قدم نہیں رکھتے۔''

حدیث مبارکہ کی غرض اس امر پر متنبہ کرنا ہے کہ کتے اور تصویر کی موجودگی' گھر میں فرشتوں کے دخول میں رکاوٹ ہے۔ اصحابِ سلوک نے اس سے ایک اور حقیقت کا اشارہ سمجھا ہے کہ معرفتِ الٰہی کا ایسے دل میں داخل ہونا ممکن نہیں جو کلابِ شہوت کی آماجگاہ اور عالم مادّی کی تصاویر سے اٹا پڑا ہے۔

علامہ ابن القیم الجوزیہؒ رقم طراز ہیں:

''میں نے ارشادِ نبوی ﷺ ((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا......)) کی شرح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سنا کہ جب کتا اور تصویر فرشتوں کے گھروں میں داخل ہونے کی راہ میں حائل ہیں تو اللہ عزوجل کی معرفت و محبت' ذکر الٰہی کی حلاوت وشیرینی اور قربتِ باری سے اُنس ومیلان کا گزر ایسے دل میں کیسے ممکن ہے جو شہواتِ دُنیا کے کتوں اور تصویروں سے پُر ہو۔''(١١)

علامہ ابن تیمیہؒ سے قبل اسی حدیث مبارکہ کی تشریح میں امام غزالیؒ نے تحریر فرمایا تھا:

''دل وہ گھر ہے جو ملائکہ اور ان کے آثار وتجلیات کا مہبط ومنزل اور ان کا محل استقرار ہے جبکہ صفاتِ مذمومہ مثلاً غضب وشہوت' بغض وحسد' تکبر وخود پسندی وغیرہ بھونکنے والے کتوں کی مانند ہیں' اب اس دل میں فرشتوں کا ورود ودخول کیسے ہوسکتا ہے جس میں ہر سو کلابِ شہوت دندناتے پھرتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ ربّ العزت قلبِ انسانی میں نورِ علم کا القا فرشتوں ہی کے ذریعے فرماتا ہے۔''(١٢)

(۴) نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا صَلَاةَ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ))(١٣) ''پاکی کے بغیر نماز قابل قبول نہیں۔''

اس حدیث شریف کا اصل مقصود اس امر کی وضاحت ہے کہ طہارتِ ظاہری کی عدم موجودگی قبولیتِ نماز کی نفی کرتی ہے۔ اربابِ باطن نے اس کی گہرائی میں اتر کر ایک اور نادر نکتے کی نشاندہی کی ہے کہ:

''جب لباس وبدن کی پاکیزگی نماز کی صحت وقبولیت کی شرط ہے اور اس میں خلل آنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو کیا قلب وباطن کی نجاست وغلاظت دور کرکے اسے پاک وصاف کیے بغیر نماز کی قبولیت کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ یہ بات اگرچہ اپنی جگہ درست ہے کہ اس سے فرض ساقط ہو جائے گا۔ غور کرو تو ظاہری عبادت کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہیں کہ وہ محض طہارتِ قلب وروح کی تکمیل ہے''۔(١٤)

اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں، جو زیادہ تر تفسیر اشاری یا سلوک و تصوف کی کتابوں میں موجود ہیں۔ چند مزید مثالیں علماء کے ان اقوال میں بھی آ رہی ہیں، جو آئندہ سطور میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

تفسیر اشاری کی شرعی اساس

یہاں طبعاً یہ سوال قاری کے ذہن میں اُبھر سکتا ہے کہ آیا تفسیر اشاری کے لیے کوئی شرعی اصل و اساس بھی ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ اس کا وجود اسلام کے عصرِ اول میں بھی تھا یا اس کا ظہور اس وقت ہوا جب تصوف کا چرچا ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن عزیز کے معانی و مطالب کے اظہار و بیان میں تفسیر اشاری کا انداز نیا نہیں بلکہ یہ زمانۂ نزولِ قرآن سے جانا پہچانا ہے اور اصحابِ رسول ﷺ بھی اس سے آگاہ و آشنا تھے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں جن سے 'تفسیر اشاری' پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ (النساء)

''اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ بات ہی نہیں سمجھتی۔''

نیز فرمایا:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ (النساء:۸۲) ''کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد)

''کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔''

مندرجہ صدر آیات میں دراصل قرآن کے باطنی معانی کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، کیونکہ قرآن عربوں کی مادری زبان میں اترا اس لیے وہ اس کے ظاہری مفہوم کو تو سمجھتے تھے مگر باطنی مطالب کی طرف ان کی توجہ نہ تھی اسی لیے انہیں آیات قرآنی میں غور و تدبر کی دعوت دی گئی اور یہی قرآن کا باطنی مفہوم ہے جس سے وہ نا آشنا تھے۔ (۱۵)

امام زرکشیؒ نے 'البرھان' اور علامہ سیوطیؒ نے 'الاتقان' میں الفریابی کے حوالے سے سیدنا حسن بصریؒ کی یہ مرسل روایت نقل کی ہے کہ ''ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کی ایک حد ہے اور ایک بلندی۔'' (۱۶)

اسی طرح دیلمی نے سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
''قرآن عرش کے نیچے ہے۔ اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ وہ لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرے گا۔'' (۱۷)
معلوم رہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ (۱۸)

ان روایات میں ظاہر و باطن کے مفہوم کی تعیین میں کئی اقوال ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ظاہر سے لفظی معنی مراد ہیں اور باطن سے تاویلی مفہوم۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول اقوال میں بھی قرآن کے ظاہر و باطن کی جانب اشارہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفسیر اشاری سے آگاہ اور اس کے قائل تھے۔ ابن ابی حاتمؒ بطریق ضحاکؒ حضرت عبد اللہ بن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عباس ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ”قرآنی علوم چند انواع واقسام پر مشتمل ہیں‘اس کے کئی ظاہر اور کئی باطن ہیں۔“

حضرت ابوالدرداء ؓ کا قول ہے کہ ”آدمی اُس وقت تک فقیہہ نہیں بن سکتا جب تک قرآن کو (ظاہرو باطن) کئی وجوہ پر مشتمل قرار نہ دے۔“

سیدنا ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص اوّلین وآخرین کے علوم سے آگاہ ہونا چاہے وہ قرآن کا مطالعہ کرے۔“(۱۹)

ظاہر ہے کہ یہ مقصد قرآن کی ظاہری تفسیر سے پورا نہیں ہوسکتا۔(۲۰)

صحابہ کرام ؓ سے تفسیر اشاری کا ثبوت بھی ملتا ہے ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ سیدنا عمر فاروق ؓ‘ جناب عبداللہ بن عباس ؓ کو بدری صحابہ ؓ کی موجودگی میں شرفِ باریابی بخشا کرتے تھے۔ بعض صحابہؓ نے ناراض ہوکر حضرت عمرؓ سے کہا کہ ”ہمارے بھی بیٹے ہیں اور ہم ان کو آپ کی مجلس میں نہیں لاتے‘ پھر ابن عباسؓ کے آنے کی کیا وجہ ہے؟“ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ”عنقریب آپ کو پتا چل جائے گا“۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک روز دیگر صحابہؓ کی موجودگی میں ابن عباسؓ کو بھی ملاقات کا شرف بخشا۔ صحابہؓ کو مخاطب کرکے پوچھا کہ آیت کریمہ ﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ ......﴾ (النصر:۱) کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ بعض صحابہ نے کہا ہمیں اس آیت میں حمد واستغفار کا حکم دیا گیا ہے‘ بعض خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ابن عباسؓ کی طرف متوجہ ہوکر اس آیت کے معنی دریافت کیے۔ انہوں نے کہا کہ میں دیگر صحابہ کے بیان سے متفق نہیں ہوں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ کی اجل طبعی قریب آ گئی ہے‘ اس لیے آپؐ کو اب پہلے سے بھی زیادہ حمد و استغفار کرنا چاہیے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس ضمن میں میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے۔“(۲۱)

تفسیر اشاری کی بنیاد ظاہر وباطن کی تقسیم پر رکھی گئی ہے‘ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ تاہم اس مقام پر مولانا محمد حنیف ندویؒ کا ایک اقتباس دیا جاتا ہے جس میں انہوں نے الفاظ کے باطنی پہلو پر انتہائی خوبصورت انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ مولانا‘ علمائے اصول کے نزدیک الفاظ کی مختلف اقسام کی دلالت بیان کرنے کے بعد باطنیہ کے اس موقف کی تردید کرتے ہیں کہ ظاہر وباطن میں تفاوت پایا جاتا ہے‘ لیکن ساتھ ہی تحریر فرماتے ہیں:

> ”مگر اس کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ فہم وبصیرت کبھی کبھی ایسے ایسے عجیب وغریب معانی کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں کہ دلالت کی ان چاروں قسموں کو اپنی تنگ دامانی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور اس بات کے مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا کہ سرحدِ الفاظ سے پرے بھی کچھ حقائق ہیں اور اطلاق ودلالت کی ان وضعی ومنطقی تقسیموں کے علاوہ بھی کچھ معانی ہیں۔ چنانچہ اسی قبیل سے یہ معنی نادر ہیں جس کا حضرت عمر ؓ کے دل پر خطور ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ﴾ (المائدۃ:۳) ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا“۔ تو عام حالت یہ تھی کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چہروں پر انبساط وفرحت کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور حضرت عمر ؓ رو رہے تھے۔ پوچھا گیا کہ رونے کا یہ کیا مقام ہے؟ اس اداشناسِ نبوت نے جواب میں فرمایا کہ یہ آیت جسے تم مژدہ وبشارت سمجھ کر خوش ہو رہے ہو‘ آیتِ اجل ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اب

ہمیں داغِ مفارقت دینے والے ہیں' کیونکہ آپؐ کی زندگی دین ہی کی تکمیل واتمام کے لیے تو تھی اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے تقاضے پورے ہو چکے ہیں تو لامحالہ آپؐ کی زندگی کا مصرف بھی ختم ہو گیا۔
یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ اس ڈھنگ کی یہ تفسیر ہے جو حضرت سعدؓ سے منقول ہے کہ: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ (البقرة:۲۲) ''اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک نہ ٹھہراؤ'' کے معنی انہوں نے یہ بیان کیے کہ اس سے مراد اضداد کی پیروی ہے۔ یعنی یہ شرک ہے کہ بیک وقت تم اللہ کے سامنے بھی جھکو اور نفس کی خواہشات کی پوجا بھی کرو۔
اس طرح کے معانی کے لیے جو سلف اور اہل اللہ سے منقول ہیں' صحیح محمل ڈھونڈنا پڑے گا اور ان لطائف و نکات کی ایک نہ ایک جگہ بہر آئینہ معین کرنا ہی پڑے گی' بشرطیکہ جو بات اس ڈھب کی بیان کی جائے وہ ایسی معقول ہو کہ اس کی کتاب وسنت کے دوسرے شواہد سے تائید ہو سکے۔''(۲۲)

تفسیر اشاری کا حکم اور اہل علم کی آراء

اہل علم اس امر میں مختلف الخیال ہیں کہ تفسیر اشاری جائز ہے یا ناجائز۔ اس سلسلے میں علامہ عبدالعظیم الزرقانی رقم طراز ہیں کہ:

''تفسیر اشاری کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض اسے درست بتاتے ہیں اور بعض ممنوع قرار دیتے ہیں۔''(۲۳)

الشیخ خالد بن عبدالرحمٰن العک اپنی کتاب 'اصول التفسیر و قواعده' میں لکھتے ہیں:

''بہت سے علماء اس اندیشے کی بنا پر تفسیر اشاری کے عدم جواز کے قائل ہیں کہ کہیں کلام الٰہی کی تفسیر میں وہ خدا پر بغیر علم و ہدایت اور دلیل و برہان کے من گھڑت الزامات دھرنے کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ رہے وہ علماء جو اسے جائز قرار دیتے ہیں تو انہوں نے اس کے لیے کچھ شرطیں لگائی ہیں جو تفسیر کی عام شرائط کے علاوہ ہیں۔''(۲۴)

اب ذیل میں مختلف اساطینِ علم کی آراء نقل کی جاتی ہیں جن سے 'تفسیر اشاری' کی حیثیت نکھر کر نظر و بصر کے سامنے آجائے گی۔

(۱) امام ابوحامد غزالیؒ

امام غزالیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں ایک آیت کی مثال دے کر فرماتے ہیں کہ محض ظاہر الفاظ کا ترجمہ جان لینے سے قرآن کے حقیقی مفہوم تک نہیں پہنچا جا سکتا بلکہ اس کے لیے دیگر بہت سی چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے اور اگر الفاظ کے اسرار دریافت کرنے اور اس کے مقدمات ولواحق کے باہم مرتبط ہونے میں تمام عمر صرف کر دی جائے تو غالباً اس کے سب لواحق پورے ہونے کے پیشتر ہی عمر تمام ہو جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اور کوئی کلمہ قرآن مجید کا ایسا نہیں جس کی تحقیق میں ان جیسے امور کی ضرورت نہ پڑتی ہو مگر علم میں پختہ لوگوں کو اس کے اسرار اس قدر معلوم ہوتے ہیں جس قدر ان کے علم میں کثرت' دلوں میں صفائی' تامل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کی رغبت میں زیادتی اور طلب میں خلوص ہوتا ہے۔ اور ہر شخص کو ترقی کرنے میں ایک حد ہوتی ہے کہ اس سے اعلیٰ درجہ میں ترقی کر سکتا ہے‘ مگر یہ ممکن نہیں کہ سارے مدارج طے کر جائے‘ اس لیے کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے اور تمام درخت قلموں کی صورت اختیار کر لیں تب بھی کلماتِ الٰہی کے اسرار ختم نہ ہوں گے۔ اسی بنا پر لوگ اسرار کی سمجھ میں مختلف ہوتے ہیں‘ باوجودیکہ ظاہری ترجمہ سب جانتے ہیں مگر تفسیر ظاہری اسرار کے فہم میں کافی نہیں ...... یہ اسرار ظاہر لفظوں کے ترجمہ سے معلوم نہیں ہوتے لیکن ترجمہ ظاہری کے مخالف بھی نہیں بلکہ ان سے اس کی تکمیل ہوتی ہے اور ظاہر کے اصل جوہر تک رسائی ہوتی ہے۔ اور باطنی معانی سمجھنے سے ہماری مراد بھی یہی ہے‘ یہ مراد نہیں کہ وہ معانی ترجمہ ظاہری کے منافی ہوں۔‘‘(۲۵)

(۲) امام ابوعمرو ابن الصلاحؒ

عظیم محدث ابن الصلاحؒ سے جب صوفیہ کے تفسیری اقوال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا:

’’مجھے امام ابوالحسن الواحدی کے بارے میں پتا چلا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ابوعبدالرحمٰن السلمی نے ’’حقائق التفسیر‘‘ نامی کتاب تحریر کی ہے۔ اگر انہوں نے یہ کتاب تفسیر قرآن ہونے کے اعتبار سے مرتب کی ہے تو کفر کا ارتکاب کیا۔ جب کوئی قابل اعتماد آدمی قرآن کے بارے میں ایسی بات بیان کرتا ہے تو میں (ابن الصلاح) حسن ظن کی بنا پر کہتا ہوں کہ وہ قرآن کی تفسیر نہیں کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر باطنیہ اور ایسے لوگوں میں کچھ فرق و امتیاز نہ ہوتا۔ دراصل بات یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ مندرجاتِ قرآن کی تائید وحمایت میں ایسی باتیں کہتے ہیں۔ اس لیے کہ بات سے بات نکل ہی آتی ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں فرمایا: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ﴾ (التوبۃ:۱۲۳) ’’تمہارے قریب جو کفار رہتے ہیں ان سے لڑو‘‘۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت میں کفار اور خود اپنے نفس سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے‘ مگر ایسے خیالات کا اظہار قرآن میں مناسب نہیں‘ اس لیے کہ اس سے غلط فہمیاں اور توہّمات پیدا ہوتے ہیں۔‘‘(۲۶)

(۳) امام ابن عطاء اللہ سکندریؒ

علامہ سیوطیؒ نقل کرتے ہیں کہ ابن عطاء اللہ سکندری نے اپنی کتاب ’’لطائف المنن‘‘ میں لکھا ہے:

’’صوفیہ کے گروہ نے قرآن وحدیث کے جو عجیب وغریب معانی بیان کیے ہیں‘ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہوں نے ظواہر نصوص کو تبدیل کر دیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ظاہری معانی تو لغت کی مدد سے بسہولت سمجھے جا سکتے ہیں‘ البتہ آیات واحادیث کے کچھ باطنی معانی بھی ہوتے ہیں جو اس شخص پر منکشف ہوتے ہیں جسے شرح صدر عطا کیا گیا ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظہر ہے اور ایک بطن۔ کسی جھگڑالو شخص کے کہنے پر ان معانی کے اخذ واستفادہ سے رک نہیں جانا چاہیے۔ لوگ کہیں گے کہ فلاں آیت کے اصلی معانی سے عدول کیا گیا ہے‘ مگر عدول تو جب ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس آیت کے صرف یہی معنی ممکن ہیں اور نہیں۔ ظاہر ہے کہ صوفیہ اس طرح نہیں کہتے۔ وہ ظاہری معانی کو برقرار رکھتے ہوئے القائے ربانی سے باطنی معنی ومفہوم کو سمجھتے ہیں۔‘‘(۲۷)

(۴) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

شیخ الاسلام نے تفسیر اشاری پر اپنے فتاویٰ کے متعدد مقامات میں مفصل بحث کی ہے۔ایک مقام پر لکھتے ہیں:

ومتی کان المعنی صحیحًا والدلالة لیست مرادة فقد یسمی ذلك اشارة وقد اودع الشیخ ابوعبد الرحمٰن السلمی حقائق التفسیر من ھذا قطعة[۲۸]

''جب کسی لفظ کا معنی درست ہو اور اس کی دلالت اصلاً مقصود نہ ہو تو اسے اشارہ کہا جاتا ہے اور شیخ السلمیؒ نے حقائق التفسیر میں اسی کے مطابق تفسیر سپردِ قلم کی ہے۔''

فتاویٰ ہی میں ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

''اربابِ اشارات جو اس مفہوم کو برقرار رکھتے ہیں جس پر لفظ دلالت کر رہا ہوتا ہے اور اشاری معنی کو قیاس واعتبار کے پہلو سے بیان کرتے ہیں وہ ان فقہاء کی مانند ہیں جو قیاس واعتبار سے باخبر ہیں۔چنانچہ جب قیاس صحیح اور فساد و بطلان سے پاک ہو اور اعتبار' انحراف کے بجائے جادۂ مستقیم پر مبنی ہو تو یہ (اشاری مفہوم) برحق ہے۔''[۲۹]

'اشارات' کا مفہوم اور حکم واضح کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے لکھا ہے:

''جو شے بیان کی جا رہی ہے وہ فی نفسہٖ تو حق ہو البتہ اس پر کوئی شخص قرآن وحدیث کے ایسے الفاظ سے استدلال کرے جن سے وہ مراد و مقصود نہ ہو' یہ ہے وہ چیز جسے یہ 'اشارات' کا نام دیتے ہیں...... یہ عمومی معنی کے لحاظ سے تو حق ہی ہوتا ہے' کیونکہ کتاب وسنت سے اس کی صحت پر (عمومی) دلالت ملتی ہے۔ بحث البتہ خاص اس لفظ کی بابت ہوتی ہے جس سے وہ اپنے اس (اخذ کردہ) معنی پر استدلال کرتے ہیں۔اب اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ معنی اس لفظ سے مراد ہے' جو کہ خدا پر جھوٹ ہے۔چنانچہ جو دعویٰ کرے کہ ﴿تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ (البقرۃ:٦٧) سے مراد 'نفس' ہے اور ﴿اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ﴾ (النازعات:١٧) سے مراد 'دل' ہے اور یہ کہ ﴿وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ﴾ سے مراد سیدنا ابوبکر صدیق' ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ﴾ سیدنا عمر فاروق' ﴿رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ﴾ سے سیدنا عثمان ذوالنورین اور ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ (الفتح:٢٩) سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم مراد ہیں تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے' چاہے دانستہ باندھے یا نادانستہ۔

دوسری یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ بات اس کے معنی کے اعتبار میں آتی ہے اور 'قیاس' کے باب سے ہے نہ کہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ لفظ کی اپنی ہی دلالت ہے۔چنانچہ یہ قیاس کی نوع سے ہوگی۔فقہاء جس شے کو قیاس کا نام دیتے ہیں' صوفیہ اسے 'اشارہ' کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔بنابریں جس طرح قیاس دو قسموں میں منقسم ہے یعنی ایک صحیح اور ایک باطل' اسی طرح اشارہ کی بھی یہی دو قسمیں ہیں۔

مثال کے طور پر آیت مبارکہ ﴿لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ (الواقعة) کی بابت ایک آدمی کہتا ہے: مراد ہے لوحِ محفوظ یا مصحف قرآنی کو مس کرنا۔البتہ پھر اس کے بعد کہتا ہے' جس طرح لوحِ محفوظ جس میں قرآنی حروف لکھے ہیں' صرف اور صرف ایک پاک طاہر بدن کے ہی چھونے کا ہے' ایسے ہی قرآن کے معانی بھی کچھ ایسی چیز ہیں جن کا ذوق پانا سوائے کچھ پاکیزہ قلوب کے کسی اور کا حظ نہیں جو کہ متقین کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلوب ہیں' تو یہ معنی اور یہ اعتبار بالکل صحیح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ چیز سلف میں سے کئی ایک سے مروی ہے۔ (خصوصاً) جبکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے : ﴿الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞﴾ (البقرۃ) ایک اور جگہ فرمایا: ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞﴾ (آل عمران) ''یہ لوگوں کے لیے بیان ہے اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت و موعظت''۔ پھر فرماتا ہے: ﴿يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ (المائدۃ:١٦) ''خدا اس کو ذریعۂ ہدایت بناتا ہے سلامتی کے مسالک کی جانب ایسے شخص کے لیے جو اس کی خوشنودی کے پیچھے چلتا ہو۔''(٣٠)

(۵) علامہ ابن القیم الجوزیہؒ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید حافظ ابن القیمؒ نے بھی اشارات کے باب میں اپنے استاذ کے نقطۂ نگاہ کی تائید کی ہے۔(٣١)

خود علامہ موصوف نماز میں قبلہ رخ ہونے کی شرط سے مفہوم اشاری کچھ یوں اخذ کرتے ہیں:

''اشارات ہی کے قبیل سے ایک مثال یہ بھی ہے کہ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا اس کی صحت کے لیے لازم ہے۔ خانہ کعبہ' جو کہ بیت رب ہے' کی جانب جب نمازی کا اپنے بدن وقالب سے متوجہ ہونا شرط ہے تو اس شخص کی نماز درجہ صحت کو کیونکر پہنچ سکتی ہے جو ربِ قبلہ و بدن کی جانب اپنی عنانِ توجہ کو ملتفت نہیں کرتا' اس نے بدن کو تو کعبہ کی طرف پھیر لیا ہے لیکن اس کا دل ربِ کعبہ کے بجائے کسی اور کی جانب مائل ہے۔ اس نوع کے اشاراتِ صحیحہ کا اخذ و استنباط صفائے قلب و باطن' صحتِ بصیرت اور حسنِ تدبر کے بغیر ممکن نہیں۔''(٣٢)

(٦) امام ابو اسحٰق شاطبیؒ

علامہ شاطبیؒ کہتے ہیں کہ صوفیہ سے یہ اقوال عبرت انگیزی کے نقطہ خیال سے صادر ہوئے تھے۔ تاہم ان کو قرآن کے معانی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ جن صوفیہ سے یہ اقوال صادر ہوئے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم قرآن کی شرح و تفسیر کر رہے ہیں۔ یہ بات صوفیہ کے ساتھ حسن ظن کی آئینہ داری کرتی ہے۔(٣٣)

(٧) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

سورۃ النصر سے وفاتِ رسول اللہ ﷺ پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے استدلال کے تحت علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاراتی مفہوم کی روشنی میں قرآن شریف کی تفسیر کی جا سکتی ہے۔ اس پر وہی شخص قادر ہو سکتا ہے جو علم میں رسوخ رکھتا ہو۔ اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: **الا فهما یوتیه الله رجلاً فی القرآن** یعنی ''کوئی خاص شے تو ہمارے پاس نہیں البتہ یہ اور بات ہے کہ باری تعالیٰ کسی پر فہم قرآن کے در وا کر دے۔''(٣٤)

(٨) علامہ سعد الدین تفتازانیؒ

النسفی نے اپنی کتاب ''العقائد'' میں لکھا ہے کہ ''نصوص کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے گا۔ ظاہری معانی

سے عدول کر کے ایسے معنی مراد لینا جن کا دعویٰ باطنیہ فرقہ والے کرتے ہیں' وہریت اور الحاد ہے''۔ ''شرح العقائد'' میں اس کی شرح کرتے ہوئے تفتازانی تحریر کرتے ہیں کہ:

''باطنیہ کو اس نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نصوص سے ان کے ظاہری معنی مراد لینا درست نہیں۔ بخلاف ازیں ان کے باطنی معانی مقصود ہیں' جن سے صرف اہل علم ہی آگاہ ہوتے ہیں۔ باطنیہ کا مقصد دراصل یہ ہے کہ پوری شریعت کی نفی کر دی جائے...... بعض محققین نے جو یہ بات کہی ہے کہ اگرچہ نصوص کو ان کے ظواہر پر محمول کیا جاتا ہے' تاہم ان میں ایسے پوشیدہ اشارات بھی پائے جاتے ہیں جو اربابِ سلوک ہی پر منکشف ہوتے ہیں تو یہ بات ان کے کمالِ ایمان اور تمامِ عرفان کی غمازی کرتی ہے۔''(۳۵)

(۹) امام محمد بن عبداللہ زرکشیؒ

''البرھان فی علوم القرآن'' کے مصنف امام زرکشی صوفیہ کی تفسیر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''تفسیر قرآن میں صوفیہ کے اقوال درحقیقت تفسیر نہیں بلکہ یہ وہ معانی و مواجید ہیں جو دورانِ تلاوت ان کے قلب و ذہن پر وارد ہوتے ہیں۔''(۳۶)

(۱۰) امام احمد بن محمد ابن عجیبہؒ

امام ابن عجیبہ ''ایقاظ الھمم فی شرح الحکم'' میں لکھتے ہیں:

''ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ اللّٰہُ ۙ ثُمَّ ذَرْھُمْ﴾ (الانعام: ۹۱) صوفیہ اس سے انقطاع الی اللہ اور اس کے ماسوا سے غیبوبت پر استدلال کرتے ہیں۔ یہ تفسیر اشاری ہے' لفظ کے معنی کی وضاحت و تفسیر نہیں۔ کیونکہ یہ آیت مبارکہ یہود کی تردید کے سلسلے میں نازل ہوئی اور صوفیہ' خدا ان سے راضی ہو' ظاہر کو برقرار رکھتے ہوئے ایسے مخفی اشارات تک رسائی پاتے ہیں' جن کا مقصود و مفہوم ان کے سوا کوئی اور سمجھ نہیں پاتا۔ اسی بنا پر بعض مفسرین ان پر جرح و تنقید کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے مقصود سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ﴿قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ؕ﴾ (البقرۃ: ۶۰)(۳۷)

ابن عجیبہ اپنی اسی کتاب میں ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں:

''اربابِ باطن کی تفسیر' اشارہ ہے نہ کہ معنی کی تفسیر۔''(۳۸)

(۱۱) علامہ عبدالعظیم زرقانیؒ

علامہ زرقانیؒ نے اپنی کتاب ''مناھل العرفان'' میں تفسیر اشاری پر مفصل بحث کی ہے۔ انہوں نے تفسیرِ مذکور کی قبولیت کے شرائط بھی بیان کیے ہیں جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے' تاہم بحث کے اختتام پر انہوں نے نصیحتِ خالصہ کے عنوان سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طریق تفسیر کو کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں سمجھتے۔ ان کی نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ ''بعض لوگ اس طرح کے اشارات و تصورات کے درپے ہو جاتے ہیں اور ان کے دل میں یہ احساس جاگزیں ہو جاتا ہے کہ کتاب و سنت بلکہ پورا اسلام ہی اس نوع کے واردات و سوانح کا نام ہے۔ مزید برآں وہ اس زُعم کا شکار ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہ باور کراتے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ اہل حقیقت ہیں' انہوں نے غایت کو پالیا ہے اور خدا سے ایسا تعلق استوار کر لیا ہے کہ احکامِ شریعت ان سے ساقط ہو گئے ہیں۔ یہ باطنیہ کے طرزِ عمل کی مانند ہے۔ ہماری اپنے بھائیوں کو یہ نصیحت ہے کہ وہ اس طرح کی پیچیدہ تاویلات سے گریز کریں جو صوفیہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس لیے کہ یہ سراسر اذواق و مواجید پر مبنی ہیں جو قواعد و ضوابط کی حدود سے ماورا ہیں' ان میں حقیقت و خیال اور حق و باطل باہم مختلط ہیں۔ صاحبِ فہم و خرد کو ان خطرناک تاویلوں سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔ کتاب و سنت اور ان کی شروح (پر اکتفا کرنے) کو رہنما بنانا چاہیے۔ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہونا اس آیت کا مصداق ہے: ﴿اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِیۡ هُوَ اَدۡنٰی بِالَّذِیۡ هُوَ خَیۡرٌ ؕ﴾ (البقرۃ:٦١) اور فرمانِ نبویؐ ہے: ''جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا۔'' نیز فرمایا: ''جو چیز تمہیں شکوک میں مبتلا کرے اسے چھوڑ کر وہ شے اختیار کرو جو شک و شبہ سے بالاتر ہو۔''(٣٩)

(١٢) الشیخ الطاہر ابن عاشور

ابن عاشور اپنی تفسیر ''التحریر والتنویر'' میں لکھتے ہیں:

''صوفیہ میں سے اہلِ اشارات نے قرآن کریم کی بعض آیات کے ایسے معانی بیان کیے ہیں جو الفاظِ قرآنی سے مناسبت نہیں رکھتے بلکہ تاویل و توجیہہ کے ذریعے ماخوذ ہیں' تو معلوم ہونا چاہیے کہ اربابِ تصوف کا یہ دعویٰ نہیں کہ ان کا کلام قرآن کی تفسیر ہے۔ ان کا کہنا صرف یہ ہے کہ آیت کے ان اشاری معانی کے متکلم کی غرض میں شامل ہونے کی گنجائش موجود ہے اور اتنا ہی کافی ہے کہ وہ انہیں اشارات کا نام دیتے ہیں نہ کہ معانی کا۔''

علامہ الطاہرؒ نے ان ''اشارات'' کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں اہل علم کا اختلاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام غزالیؒ تو ان کو مقبول سمجھتے ہیں' لیکن ابن العربی المالکیؒ (''العواصم'' کے مصنف) انہیں باطل قرار دیتے ہیں۔ علامہ موصوف کی ذاتی رائے کے مطابق 'اشارات' تین قسموں سے باہر نہیں:

(١) آیت میں مذکور معانی کو کسی صورت حال پر بطور تمثیل منطبق کیا جائے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ﴿وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ یُّذۡکَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ﴾ (البقرۃ:١١٤) سے یہ اشارہ اخذ کرنا کہ جو معرفتِ الٰہی کے ذریعے اپنے قلب و نفس کا تزکیہ نہیں کرتا' اس سے پیدا ہونے والی صفاتِ کمال کو دل میں داخل ہونے سے روکتا ہے وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ گویا اس کو مساجد میں ذکر الٰہی سے روکنے والے شخص کی حالت سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

(٢) کسی آیت سے بطور تفاؤل کوئی نکتہ اخذ کرنا۔ ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جب قلب و ذہن کسی معاملے کی جانب متوجہ ہو تو آیت سے بھی توجہ اسی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمان خداوندی ﴿مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ......﴾ (البقرۃ:٢٥٥) سے یہ نکتہ سمجھنا کہ اس میں نفسِ انسانی کی جانب اشارہ ہے' جب اسے قابو میں کر لیا جائے تو انسان شفعاء مقربین میں شامل ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن عاشور کے بقول الشیخ محی الدین اس قسم کو 'سماع' کا نام دیتے تھے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ آیت سے بطریق عبرت ونصیحت کوئی مفہوم ومطلب اخذ کیا جائے۔ چنانچہ جو اہلِ نظر، نفسِ بیدار کے مالک ہوتے ہیں وہ ہر شے سے نفع حاصل کرتے اور ہر جگہ سے حکمت ونصیحت اخذ کرتے ہیں۔ جیسے آیت مبارکہ ﴿فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ⑯﴾ (المزمل) سے یہ مفہوم لینا کہ جو شخص پیغمبرِ معارفِ علیا کی تعمیل حکم نہیں کرتا اس کا انجام ہلاکت ومصیبت ہے۔

مذکورہ تین اقسام بیان کرنے کے بعد علامہ موصوف نے واضح کیا ہے کہ یہ ''اشارات'' لفظ کی دلالت اور اس کے لوازم وتوابع قرار نہیں دیے جاسکتے بلکہ قرآن کی طرف ان کی نسبت مجازی ہے۔ ان اقسام کے علاوہ اشاری نکات باطنی تفسیر کے قریب جا پہنچتے ہیں۔ [۴۰]

(۱۳) علامہ محمد حسین الذہبیؒ

علامہ ذہبیؒ نے علوم القرآن پر اپنی شاندار کتاب ''التفسیر والمفسرون'' میں اس حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ان کی رائے میں:

''تفسیر اشاری چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے اور صوفیاء نے تفسیر اشاری کے نام پر جو نکات بیان کیے ہیں، ان کے قابل قبول معانی بھی ہیں، لیکن ان میں ایسے مطالب بھی ہیں جن کو عقل وشریعت قبول نہیں کر سکتی۔'' [۴۱]

بعد ازاں انہوں نے ہر دو کی مثالیں پیش کی ہیں اور کہا ہے کہ انہیں تفسیر قرار نہیں دینا چاہیے بلکہ انہیں مشابہ ومماثل کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کے موضوع سے ملتی جلتی ہیں۔

(۱۴) الشیخ عبداللہ بن یوسف الجدیع

الشیخ عبداللہ اپنی کتاب ''المقدمات الاساسیة فی علوم القرآن'' میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے سطور بالا میں درج شدہ تفصیلی اقتباسات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تفسیر اشاری بالکلیہ رد کیے جانے کے لائق نہیں، بلکہ اس میں صحیح اور مقبول نکات بھی ہیں۔'' [۴۲]

بعد ازاں انہوں نے امام ابن القیمؒ سے اس تفسیر کی قبولیت کے شرائط بیان کیے ہیں جن کا تذکرہ اگلی سطور میں آرہا ہے۔

(۱۵) الشیخ مناع القطان

''مباحث فی علوم القرآن'' کے مصنف الشیخ مناع القطان تفسیر اشاری کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''جب مخفی اشارات کے باب میں غلو اور مبالغہ آمیزی سے کام لیا جائے تو تفسیر اشاری، تجہل قرار پاتی ہے۔ البتہ اس صورت میں یہ مقبول ہے جب ظاہر عربیت کے مقتضی کے موافق ہو اور بغیر کسی معارض کے اس کی درستی کے لیے کوئی دلیل موجود ہو۔'' [۴۳]

(۱۶) علامہ محمد مالک کاندھلویؒ

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی قدس اللہ روحہٗ اپنی کتاب ''منازل العرفان'' میں ''تفسیرِ کلام اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں حضرات صوفیاء و عارفین کے اقوال'' کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

''بعض آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر میں عارفین اور صوفیاء سے کچھ لطائف اور اشارات منقول ہوتے ہیں جو سلوک و طریقت اور تصوف کے نکات کے درجہ میں ہوتے ہیں' وہ اصل تفسیر نہیں ہوتے بلکہ اصل تفسیر تو وہی ہے جو حدیث مرفوع' اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت و منقول ہوئی۔ اس تفسیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ لطائف قابل اعتبار ہوتے ہیں۔''(۴۴)

(۱۷) الموسوعة القرآنية المتخصّصة

مصر کی وزارتِ اوقاف کے تحت ''المجلس الاعلٰی للشؤون الاسلامیة'' کی زیر نگرانی تیار کیے جانے والے قرآنی انسائیکلوپیڈیا میں تفسیر اشاری کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ ''یہ باطل ہے کیونکہ تفسیر میں اس کی بنیاد وجدان پر رکھی گئی ہے۔''(۴۵)

(۱۸) مصطفٰی دیب البغا اور محی الدین دیب مستو

''الواضح فی علوم القرآن'' مذکورہ دونوں اصحاب کی مشترکہ تالیف ہے۔ اس میں تفسیر اشاری کا مفہوم بیان کر کے اس کا حکم ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''(باطنی تفسیر کی طرح) یہ بھی باطل اور گناہ ہے' بلکہ اس کا اعتقاد رکھنے والے کے بارے میں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اسلام سے خارج نہ ہو جائے اور اگر اسے تفسیر باطنی سے ملا دیا جائے تو یہ بھی بعید نہیں...... ہاں البتہ اگر تفسیر اشاری اس اساس پر ہو کہ نصوص کے ظاہری معانی کو قواعدِ لغت اور دیگر شرعی نصوص کی روشنی میں ثابت مانا جائے تو اُمید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ علمائے اصول کا یہ قول بھی اس تفسیر سے قریب تر ہے جو انہوں نے آیت کریمہ ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرة:۲۳۳) ''اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان (ماؤں) کا روٹی کپڑا ہے جو دستور کے مطابق ہو'' سے اخذ کیا ہے کہ یہ آیت اس باب میں نص ہے کہ بیوی کا نفقہ خاوند پر واجب ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ بچے کا نسب باپ کی طرف منسوب ہوگا۔''(۴۶)

تفسیر اشاری کی قبولیت کی شرائط

تفسیر اشاری کے جواز و قبول کی شرائط بیان کرتے ہوئے علامہ ابن القیم الجوزیہ رقم طراز ہیں:

''تفسیر اشارہ و قیاس جسے بہت سے صوفیاء نے اپنی توجہات کا مرکز ٹھہرایا ہے' چار شرائط کے ساتھ قابل قبول ہے: (۱) آیت کے معنی و مفہوم سے متصادم نہ ہو۔ (۲) بطریقِ اشارہ بیان کردہ نکتہ فی نفسہٖ درست ہو۔ (۳) الفاظ سے ذہن اس کی جانب ملتفت ہوتا ہو۔ (۴) اشاری نکتے اور آیت کے معنی میں تلازم و مناسبت پائی جائے۔ جب یہ چاروں امور جمع ہوں تو یہ اچھا استنباط قرار پائے گا۔''(۴۷)

الشیخ مناع القطان (۴۸) اور الشیخ عبداللہ بن یوسف الجدیع (۴۹) نے بھی یہی شرائط بیان کی ہیں۔ علامہ خالد بن عبدالرحمٰن العک مذکورہ شروطِ اربعہ کے تذکرے کے بعد لکھتے ہیں:

''تفسیر اشاری میں بحث و نظر کے دوران ان شرائط کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ اگر یہ شرائط پورے طور پر موجود

ہوں تو معاملہ مقبول ہوگا اور ان کی عدم موجودگی میں مسترد قرار دیا جائے گا۔"(۵۰)

علامہ عبدالعظیم الزرقانیؒ نے لکھا ہے کہ تفسیر اشاری درج ذیل پانچ شرائط کے بغیر مقبول نہیں:

(۱) قرآن کریم کے نظم سے حاصل شدہ ظاہری معنی کے منافی نہ ہو۔

(۲) یہ دعویٰ نہ کیا جائے کہ ظاہری مفہوم کے بجائے یہی باطنی معنی اصلاً مراد ہیں۔

(۳) اشاری معنی بعید اور نامعقول' کمزور یا لچر قسم کے نہ ہوں۔ جیسا کہ بعض حضرات نے ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (العنکبوت) میں لمع کو فعل ماضی اور المحسنین کو اس کا مفعول قرار دیا ہے۔

(۴) اس کا کوئی عقلی اور شرعی معارض نہ ہو۔

(۵) کوئی شرعی دلیل اس کی تائید کرے۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

"علماء نے یہ شرطیں اسی طرح بیان کی ہیں' لیکن دیکھا جائے تو یہ ایک دوسرے میں داخل ہیں' چنانچہ پہلی شرط کی موجودگی میں تیسری کی ضرورت نہیں رہتی اور پانچویں کو ملحوظ رکھا جائے تو چوتھی شرط کا خاص فائدہ نہیں۔ مناسب ہے کہ ان کے بجائے دو اور شرائط کا خیال رکھا جائے: ایک یہ کہ پہلے وہ مفہوم بیان کیا جائے جس کے لیے قرآنی لفظ وضع کیا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ سننے والے کا قلب وذہن اس تفسیر اشاری سے اضطراب وتشویش کا شکار نہ ہو جائے۔

یہ ہیں تفسیر اشاری کے مقبول ہونے کی شرائط' مقبول ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسے رد نہیں کیا جائے گا اور بس۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کی اتباع لازم ہوگئی ہے یا اسے تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اسے مسترد اس لیے نہیں کریں گے کہ یہ ظاہر قرآن کے منافی نہیں' مزید برآں تعلیماتِ شریعت میں اس کا شاہد بھی موجود ہے جو اس کی تقویت کا باعث ہے اور اس طرح کی کسی بھی شے کا انکار مناسب نہیں۔ رہا یہ امر کہ اسے ماننا واجب نہیں تو یہ اس بنا پر ہے کہ نظم قرآنی اس مفہوم پر دلالت کے لیے وضع نہیں ہوا بلکہ یہ الہامات کے قبیل سے ہے جو صاحبِ الہام پر منکشف ہوتے ہیں' لیکن نہ زبان و بیان کے ضابطوں کے پابند ہوتے ہیں اور نہ انہیں کسی قسم کے قوانین سے مقید کیا جا سکتا ہے۔"(۵۱)

تفسیرِ اشاری کا باطنیہ اور متصوفہ کی تفاسیر سے فرق وامتیاز

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر باطنیہ اور متصوفہ کی تفاسیر سے اشاری تفسیر کے فرق وامتیاز کی بھی وضاحت کر دی جائے۔

ا) تفسیر اشاری اور تفسیر متصوفہ

تفسیر متصوفہ کے مفہوم کی معرفت سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ تصوف کی دو قسمیں ہیں:

ایک نظری تصوف کہلاتا ہے جو کہ بحث وتحقیق پر مبنی ہے اور دوسرے کو عملی تصوف کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی اساس زہد وتقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اس اعتبار سے صوفیہ کی تفسیر بھی دو قسموں میں منقسم ہے: نظری تصوف پر مبنی تفسیر کو نظری صوفیہ کی تفسیر کہا جاتا ہے' جبکہ دوسری قسم تفسیر اشاری یا تفسیر فیضی کہلاتی ہے' جس کی تفصیلات اوپر بیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی ہیں۔ ان دونوں میں دو طرح سے فرق کیا جا سکتا ہے:

(۱) نظری صوفیہ کی تفسیر چند علمی مقدمات پر مبنی ہوتی ہے جو پہلے صوفی کے ذہن میں آتے ہیں (مثلاً وحدۃ الوجود وغیرہ) اور اس کے بعد وہ قرآن کو ان پر محمول کرتا ہے بخلاف ازیں تفسیر اشاری کی اساس علمی مقدمات پر نہیں رکھی جاتی بلکہ یہ روحانی ریاضت کے زیر اثر ہوتی ہے۔ صوفی ریاضت کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر عبادت کے پردے میں کچھ اشاراتِ قدسیہ منکشف ہونے لگتے ہیں اور اس طرح آیات میں جو معارف وحقائق ہوتے ہیں وہ ابرِ غیب سے اُس پر برس پڑتے ہیں۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ نظری صوفی کسی آیت کی جو تفسیر کرتا ہے اس کے بارے میں اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ آیت اس کے ماسوا کسی دوسرے مفہوم کی متحمل ہی نہیں۔ اس کے برعکس تفسیر اشاری میں صوفی کا نقطہ نگاہ یہ ہوتا ہے کہ آیت میں دوسرے معانی کی گنجائش ہے بلکہ وہ ظاہری معنی ہیں اور ذہن انسانی سب سے پہلے ان کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔(۵۲)

علامہ محمد حسین الذہبیؒ کے بقول نظری تفسیر کی اساس و بنیاد ابن عربی نے رکھی۔ موصوف کی شخصیت انتہائی متنازع ہے۔ بعض انہیں ''شیخ اکبر'' قرار دیتے ہیں جبکہ بعض ان کی تکفیر تک جا پہنچے ہیں۔ الشیخ عبداللہ بن یوسف الجدیع لکھتے ہیں:

وهو متهم في دينه عند جمهور ائمة المسلمين، ومنهم من كفره. وهو رأس القائلين بفكرة وحدة الوجود، وزعم لنفسه انه خاتم الاولياء، وتكلم بالالفاظ الكفرية، وله تفسيره على طريقته(۵۳)

''اہل اسلام کے جمہور ائمہ کی نگاہوں میں ابن عربی کا دین مشکوک ہے۔ ان میں سے بعض نے تو اسے کافر بھی قرار دیا ہے۔ یہ قائلینِ نظریہ وحدت الوجود کا سرخیل ہے۔ یہ اپنے آپ کو خاتم الاولیاء سمجھتا تھا اور کفریہ الفاظ بولا کرتا تھا۔ اس نے اپنے مذہب کے مطابق ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔''

لیکن بہت سے علماء شیخ ابن عربی کی مدح و تحسین کرتے ہیں اور انہیں شیخ اکبر کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ برصغیر کے علمائے اہل حدیث میں سے سید نذیر حسین محدث دہلویؒ اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ان کے بارے میں معتدل رویہ رکھتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: فتاویٰ ثنائیہ از امرتسری۔ معیار الحق از محدث دہلوی)

ابن عربی کے طرزِ تفسیر کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔ قرآن شریف میں ہے:

﴿سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ۝۶﴾ (البقرۃ)

''برابر ہے کہ آپ ان کو خبردار کریں یا نہ کریں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

موصوف کے مطابق اس کی تفسیر یہ ہے کہ:

''اے محمد ﷺ! کفر کرنے والوں کو چھوڑیے انہوں نے اپنی محبت کو میرے اندر چھپا رکھا ہے۔ برابر ہے کہ آپ ان کو اس وعید کے ساتھ ڈرائیں جو دے کر ہم نے آپؐ کو بھیجا ہے یا نہ ڈرائیں، وہ آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لیے کہ میرے سوا وہ کسی چیز کا شعور ہی نہیں رکھتے۔ وہ آپ پر کیسے ایمان لا سکتے ہیں

جبکہ میں نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اپنے سوا کسی اور کے لیے گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے، وہ میرے سوا کسی کی بات سن ہی نہیں سکتے۔ ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، چنانچہ وہ میرے سوا اور کسی کو دیکھتے ہی نہیں۔''(۵۴)

علامہ محمد حسین ذہبیؒ نے موصوف کی تفسیر کی اور بھی بہت سی مثالیں دی ہیں اور بحث کے آخر میں لکھا ہے:

''ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ایسی تفسیر کے جواز کے لیے عذر تراشی سے کام لیں جو فاسد نظریات پر مبنی ہے اور جس کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو دین اسلام بیخ و بُن سے اکھڑ کر رہ جاتا ہے۔ ابن عربی اور ان کے ہمنواؤں نے عالم علوی و سفلی، ملائکہ، روح، عرش و کرسی اور دیگر موجودات کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اگر ہم ان سے چشم پوشی بھی کر لیں تو بھی وحدت الوجود پر مبنی تفسیر سے اغماض برتنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اگر بادلِ نخواستہ ہم ان صوفیاء سے صرفِ نظر بھی کر لیں جنھوں نے وجد کے عالم میں خود نا آشنا ہوتے ہوئے کچھ شدید الفاظ کہے۔ مثلاً کسی نے خود فراموشی کے عالم میں اَنَا الْحَق تک کہہ دیا، تو بھی ہم ان صوفیاء کو معاف نہیں کر سکتے جنھوں نے دیدہ و دانستہ بقائمی ہوش و حواس اس قسم کی تفسیر مرتب کی''۔(۵۵)

تفسیر صوفی نظری کے بارے میں ''الموسوعة القرآنية المتخصّصة'' میں لکھا ہے کہ:

''یہ قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ شذوذ پر مبنی فکر و نظریہ ہے جسے پھیلانے کے لیے تفسیر قرآنی کی شکل و ہیئت اور قرآنی بیان کے لبادے میں پیش کیا جا رہا ہے''۔(۵۶)

ب) تفسیر اشاری اور باطنی تفسیر

باطنیہ کا اطلاق کچھ گمراہ فرقوں اور فاسد گروہوں کے مجموعہ پر کیا جاتا ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نصوصِ شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن اور وحی و تنزیل کے ہر لفظ کی ایک خاص تاویل ہے۔ ان کے القاب و انواع بہت ہیں، مثلاً قرامطہ، الخرمیہ، اسماعیلیہ، نصیریہ، دروز، بدیعیہ، نزاریہ، مستعلیہ، بابیہ، بہائیہ، بوہرہ، آغا خانی وغیرہ۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر زمانے میں ایک برحق امام معصوم کا ہونا ناگزیر ہے تاکہ تاویلِ ظواہر کے لیے اس کی جانب رجوع کیا جا سکے۔(۵۷)

امام غزالیؒ نے باطنیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''یہ ایسا مذہب ہے جس کا ظاہر رفض اور باطن کفرِ محض ہے۔ اس کا اصل یہ ہے کہ علوم و معارف کا ادراک امام معصوم کے قول پر منحصر ہے۔''(۵۸)

ظاہر اور باطن کا قضیہ

باطنیہ کے مسلک کی حقیقی بنیاد یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ان دونوں میں تفریق پائی جاتی ہے۔ اصل مقصود باطن ہے، ظاہر نہیں۔ یہاں غور و فکر کی سطح پر یہ سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ آیا ظاہر و باطن کی تقسیم بالکل غلط اور یک قلم مسترد کیے جانے کے لائق ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟ محقق عالموں کی آراء دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ چنانچہ چند علماء کی آراء پیش خدمت ہیں:

☆ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''نصوص میں ظاہر و باطن کا دعویٰ اپنے دامن میں اجمال واشکال لیے ہوئے ہے اور تفصیل و وضاحت کا متقاضی ہے' جو درج ذیل ہے:
(۱) باطن سے مراد یا تو باطنی امور ہوں گے' مثلاً قلبی احوال و معارف اور انبیاء ﷺ کے بیان کردہ غیبی معاملات کا علم۔ (۲) یا پھر اس سے علم باطن مقصود ہو گا یعنی جو اکثر لوگوں کے فہم سے مخفی رہتا ہے یا اس شخص کی سمجھ سے ورے ہوتا ہے جو محض ظاہر تک ہی محدود رہتا ہے۔
جہاں تک پہلے مفہوم کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علم ظاہر سے بھی تعلق رکھتا ہے' جیسے اعضاء و جوارح کے اعمال' اور باطن سے بھی متعلق ہوتا ہے' یعنی قلب و ذہن کے اعمال۔ پھر علم عالم شہادت کا بھی ہوتا ہے جس کا لوگ اپنے حواس سے مشاہدہ کرتے ہیں اور حواسِ انسانی سے پوشیدہ عالمِ غیب سے بھی علم کا تعلق ہوتا ہے۔ اس علم کے باب میں لوگوں میں بہت کچھ تفاوت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کے باطنی حقائق اور انبیاء کرام کی بتائی ہوئی اخبارِ غیب میں سے بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں محض خاص خاص لوگ ہی جانتے ہیں۔ پس یہ علم دو پہلوؤں سے باطن قرار پاتا ہے۔ ایک یہ کہ معلوم شے باطن ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ علم ہی باطن ہو اور اکثر لوگوں کو اس کی معرفت نہ ہو...... اس میں سے جو کتاب وسنت سے موافق ہو گا وہ حق اور جو ان کے برخلاف ہو گا وہ باطل سمجھا جائے گا جیسا کہ ظاہری امور کا معاملہ ہے۔
رہا باطن کا دوسرا مفہوم یعنی یہ علم خفی ہے جس کا فہم اکثر لوگوں سے مخفی رہتا ہے' تو یہ دو قسموں پر ہے:
اوّل یہ کہ باطن' علمِ ظاہر کے مخالف و منافی ہو۔ دوم یہ کہ مفہومِ باطن' علمِ ظاہر کے خلاف نہ ہو۔
پہلا سراسر باطل ہے اور اس کا مدعی یا تو ملحد زندیق ہے یا جاہل و گمراہ۔ یہ اسی کی مثل ہے جس کا دعویٰ باطنیہ قرامطہ کے مختلف گروہ اسماعیلیہ اور نصیریہ وغیرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو اس باب میں ان سے متفق ہیں' یعنی فلاسفہ' غالی صوفیہ اور متکلمین۔
دوسرا وہ باطن جو علمِ ظاہر کے منافی نہیں تو یہ علم ظاہر ہی کی مانند ہے' یعنی کبھی مبنی برحق و صواب ہو گا اور کبھی باطل و فاسد۔ ان کے حق و باطل کا فیصلہ کتاب وسنت سے موافقت یا مخالفت کی بنیاد پر ہو گا۔ اگر یہ حق ہوا تو قابل قبول اور باطل ہوا تو مردود' بصورت دیگر اس سے اجتناب کیا جائے گا۔'' (۵۹)

☆ امام ابو حامد غزالیؒ (جو کہ خود تصوف و طریقت کے دلدادہ ہیں) فرماتے ہیں:

''معلوم رہے کہ سب سے پہلے ظاہری تفسیر کو ذہن نشین کرنے سے غفلت و سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ظاہر کو پختہ کیے بغیر باطن تک پہنچنے کا حریص ہونا چاہیے۔ جو شخص اسرارِ قرآنی کے فہم کا دعویٰ کرتا ہے مگر ظاہری تفسیر میں رسوخ و پختگی سے تہی دامن ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے دروازہ عبور کیے بغیر گھر کے مرکز تک پہنچنے کا دعویٰ کیا جائے یا یہ دعویٰ کرے کہ میں ترکوں کے کلام کا مطلب سمجھ لیتا ہوں حالانکہ ترکی زبان کے مقاصد نہ سمجھتا ہو' اس لیے کہ ظاہری تفسیر لغت سیکھنے کی طرح ہے جو کہ حصولِ فہم کے لیے ناگزیر ہے۔'' (۶۰)

☆ خلاصہ

مذکورہ بالا تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ ظاہر و باطن مجمل الفاظ ہیں جو حق و باطل دونوں کا احتمال رکھتے

ہیں۔ اگر ظاہر سے مقصود شریعت کا ظاہر اور ظاہری عبادات ہوں' مثلاً اقامتِ صلوٰۃ' ایتاءِ زکوٰۃ' صیامِ رمضان' فریضۂ حج کی بجا آوری اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ تو یہ حق اور درست ہے۔ اسی طرح جب باطن سے وہ خفیہ امور مراد لیے جائیں جو قلوب سے تعلق رکھتے ہیں اور وجوبِ اخلاص یا تصحیح نیت و مقصد کا مفہوم پیش نظر ہو تو یہ شرعی مطلب ہے۔ لیکن باطنیہ نے اس کے بجائے یہ موقف اپنایا ہے کہ ظاہر و باطن میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی اور ظاہر کے بجائے باطن ہی اصلاً مقصود ہے۔ اس سے باطنیہ کے پیش نظر دو مقاصد تھے:

ایک یہ کہ اسلامی افکار و تعلیمات میں تشکیک پیدا کی جائے۔ یہ دراصل مسلمان نہ تھے بلکہ مجوسی تھے' جب انہوں نے اسلام کو پھیلتے دیکھا تو حسد میں مبتلا ہو گئے اور اسے نقصان پہنچانے کے لیے حیلہ جوئی سے کام لیتے ہوئے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔(٦١)

دوسرا مقصد خواہشاتِ نفس کی تکمیل تھی۔ مولانا محمد حنیف ندویؒ لکھتے ہیں:

''باطنیہ کی اصل مجبوری جھوٹی اور سطحی نوعیت کی عقل پرستی تھی۔ انہوں نے تسکینِ نفس کے لیے ایسے عقائد و تصورات گھڑ لیے تھے اور زندگی کے چلن کو اس طرح اباحت و تعطل کی آلائشوں سے آسودہ کر رکھا تھا کہ قرآن کی نصوص قطعی اور واضح ہدایات کی روشنی میں ان کی تائید نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے انہوں نے قرآن کے ظاہر سے ہٹ کر اس کے منفرد باطنی معنی پر خصوصیت سے زور دیا' تاکہ تاویل و تفسیر کے ایسے انداز و اسلوب کے لیے گنجائش پیدا کر سکیں جو ان کی ملحدانہ خواہشات کو پورا کر سکے۔''(٦٢)

علامہ عبدالعظیم الزرقانی باطنی اور اشاری تفسیر میں فرق واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''صوفیہ ظاہری تفسیر سے منع نہیں کرتے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لازم ہے...... جبکہ باطنیہ کا کہنا ہے کہ ظاہری مفہوم بالکل مراد ہی نہیں ہوتا بلکہ محض باطن ہی مقصود ہوتا ہے اور ان کا مقصد شریعت کی نفی کرنا ہے۔''(٦٣)

یہ تو تھیں باطنیہ اور متصوفہ کی تفاسیر سے تفسیر اشاری کے فرق و امتیاز کے بارے میں اہل علم کی آراء و توضیحات' لیکن تفسیر کی مذکورہ اقسامِ ثلاثہ پر ڈاکٹر صبحی صالح کا تبصرہ قدرے مختلف ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''جہاں تک باطنیہ کی تفسیروں کا تعلق ہے جو قرآن کے ظاہر کو نظر انداز کر کے محض اس کے باطن ہی سے معانی اخذ کرتے ہیں' تو ان تفاسیر میں سوائے فاسد تاویلوں کے اور کچھ نہیں جو اصول شریعت اور قواعد لغت' ہر دو کی مخالفت پر مبنی ہیں۔ مزید برآں باطنیہ کی تفاسیر' متصوفہ اور اشاری تفسیروں کے مقابلے میں قرآن کریم کے نظم و ترتیب سے بہت زیادہ بعید ہیں' اگرچہ یہ تینوں طرح کی تفسیریں اس امر میں مشترک ہیں کہ ان میں ظاہر قرآن سے مخالفت پائی جاتی ہے اور ایسے معانی کی تلاش کی خواہش ہوتی ہے جن کی خدا نے کوئی دلیل نہیں اُتاری۔''(٦٤)

☆تفسیر اشاری کی حیثیت' قولِ راجح

مندرجہ بالا بحث سے جہاں متصوفہ اور باطنیہ کی تفسیروں سے تفسیر اشاری کا فرق و امتیاز واضح ہوتا ہے وہیں اس کے شرائطِ قبول بھی نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ ان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اربابِ سلوک کے اشارات'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنہیں تفسیر اشاری کا نام دیا جاتا ہے' حقیقتاً تفسیر نہیں ہیں' البتہ اوپر بیان کردہ شرائط و ضوابط کی روشنی میں انہیں قبول کیا جاسکتا ہے۔ یہ معاملہ چونکہ سراسر ذوق و وجدان پر اساس پذیر ہے' لہٰذا نہ تو کسی کو اس کے ماننے پر مجبور کیا جاسکتا ہے' نہ بالکلیہ اس کا انکار ہی مستحسن روش ہے۔ واللہ اعلم!

☆ تفسیر اشاری کی چند عجیب و غریب مثالیں

صوفیہ کی تفسیر اشاری کی بعض مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کے سامنے عقلِ انسانی عاجز و قاصر رہ جاتی ہے اور ان کے لیے کوئی صحیح محمل تلاش نہیں کر پاتی۔ اس نوعیت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران:۹۶)

''سب سے پہلا گھر جسے لوگوں کے لیے بنایا گیا۔''

سہل تُستریؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اوّلین گھر سے خانہ کعبہ مراد ہے۔ یہ اس آیت کے ظاہری معنی ہیں۔ باطنی معنی کے مطابق اس سے رسول کریم ﷺ مراد ہیں جن پر ایک موحد شخص ہی ایمان لاسکتا ہے۔''(۶۵)

(۲) ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ)

''اور مردہ زمین ان کے لیے قدرت کی نشانی ہے کہ ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے دانے نکالے جن کو وہ کھاتے ہیں۔''

ابن عطاء اللہ سکندری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

''جو دل غفلت کی بنا پر مردہ ہو چکے تھے' ہم نے ان کو عبرت و موعظت کے ذریعے خوابِ غفلت سے جگایا۔''(۶۶)

علامہ ذہبیؒ کے بقول:

''سلف صالحین سے ایسی تفسیر بالکل منقول نہیں۔ اگر ایسی تفسیر ان کے یہاں معروف ہوتی تو وہ ضرور نقل کرتے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) بالاتفاق قرآن کے ظاہری و باطنی معانی کے سب سے بڑے عالم تھے۔ یہ بات قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ پچھلے تاریخی ادوار کا کوئی شخص صحابہ سے بڑھ کر شریعت کا رازدان ہو اور عربی زبان کو ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہو جن کی زبان میں قرآن اُترا تھا۔''(۶۷)

(۳) اسی طرح فرمانِ الٰہی: ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (العنکبوت) ''اللہ تعالیٰ نیک اعمال کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ کی تفسیر ایک صوفی صاحب نے یوں کی کہ لَمَعَ کو فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب قرار دیا اور الْمُحْسِنِيْنَ کو اس کا مفعول بنا دیا۔ گویا معنی یہ ہوا کہ ''خدا نے نیک لوگوں کو روشن کر دیا۔''(۶۸)

اہلِ نظر کے نزدیک اس قسم کی تفسیر آیاتِ قرآنی میں الحاد کے مترادف ہے۔(۶۹)

☆تفسیر اشاری پر مشتمل اہم کتب

اس قسم کی تفسیر نویسی کے سلسلہ میں علماء کا طرزِ عمل مختلف رہا ہے' جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) بعض علماء نے یوں تو ظاہری تفسیر کو اپنی توجہات کا مرکز قرار دیا' تاہم کسی حد تک تفسیر اشاری سے بھی اعتناء کیا۔ علامہ شہاب الدین السید محمود آلوسیؒ نے ''روح المعانی'' اور امام نظام الدین الحسن بن محمد نیشاپوریؒ نے ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

(۲) علماء کی ایک قسم وہ ہے جن پر تفسیر اشاری کا غلبہ تھا مگر وہ کسی حد تک ظاہری تفسیر کی جانب توجہ دیتے تھے۔ سہل تستریؒ کا ''تفسیر القرآن العظیم'' میں یہی اسلوب ہے۔

(۳) کچھ علماء وہ تھے جو تفسیر اشاری ہی میں گم ہو کر رہ گئے اور ظاہری تفسیر کو مطلقاً قابل التفات نہ سمجھا۔ جیسے ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ نے ''حقائق التفاسیر'' میں کیا ہے۔

(۴) علماء کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جس نے ظاہری تفسیر سے اعراض کیا اور تفسیر سے متعلق اپنی کتاب میں نظری اور اشاری تفسیر کو یکجا کر دیا۔ ابن عربی کی جانب منسوب تفسیر اسی عمل کی آئینہ دار ہے۔(۷۰)

مندرجہ بالا تفسیروں کے علاوہ تفسیر اشاری کی بعض اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

☆ عرائس البیان فی حقائق القرآن ازابومحمد شیرازی

☆ التاویلات النجمیة از نجم الدین دایہ وعلاء الدولہ سمنانی

☆ البحر المدید ازابن عجیبہ

☆ روح البیان ازاسماعیل حقی

☆ تفسیر نظامی (فارسی) از نظام الدین بن عبدالشکور بلخی

☆ تفسیر نعیمی (اردو) ازمفتی احمد یار خان نعیمی

☆ تفسیر منہاج القرآن (اردو) از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

علاوہ ازیں بعض ایسے اہل علم کی تفسیروں میں بھی بسا اوقات اشاری تفسیر کے نمونے ملتے ہیں جن کا اصل مقصود ظاہری تفسیر کا بیان تھا۔ مثلاً:

• امام ابن کثیرؒ رقم طراز ہیں:

''اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ﴿اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی﴾ (یٰس:۱۲) یعنی قیامت کے دن ہم مردوں کو زندہ کریں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جن اہل کفر کے دل ضلالت وگمراہی سے مردہ ہو چکے ہیں' خدا تعالیٰ ان میں سے جسے چاہتا ہے دل کی زندگی عطا کرتا ہے اور حق کی طرف ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔'' (۷۱)

ارشاد باری ﴿اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا﴾ (الحدید:۱۷) کی تفسیر میں بھی امام موصوف نے یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔

• امام فخر الدین رازیؒ بھی تفسیر کبیر میں گاہے بگاہے مفہوم اشاری بیان فرماتے ہیں۔ بطور مثال فرمانِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الیٰ ﴿فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ﴾ (البقرۃ: ۲۶۰) کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔[72]

• امام ناصر الدین بیضاویؒ نے بھی اپنی تفسیر ''انوار التنزیل واسرار التاویل'' میں بعض مقامات پر ظاہری تفسیر کے بیان کے بعد اسی طریقہ پر آیات سے دقیق نکات اخذ کیے ہیں۔ مثال کے طور پر ارشادِ ربانی ﴿اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً﴾ (البقرۃ: ۲۲) کے تحت امام صاحب کے رشحاتِ قلم کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ رُبَّ مبلغ اوعی من سامع۔

(۲) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج۱۲، ص ۵۱، تحقیق: ڈاکٹر عبداللّٰہ بن عبدالمحسن الترکی، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء۔

(۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج۲، ص ۶۶۹، مکتبہ دارالسلام، الطبعۃ الثانیۃ۔

(٤) ابن تیمیۃ، مجموع الفتاویٰ، ج۱۳، ص ۲٤۵۔

(۵) ابن القیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ج۳، ص ۱۲۶، تحقیق: مشہور حسن، دار ابن الجوزی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱٤۲۳ھ۔

(٦) الزرقانی، مناھل العرفان، ج۲، ص ٦٦، دار الکتاب العربی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱٤۱۵ھ/۱۹۹۵ء۔

(۷) الصابونی، التبیان فی علوم القرآن، ص ۱۹۱۔

(۸) الحکم مع شرح ابن عجیبۃ، ص ٤۷۔

(۹) شرح الحکم لابن عجیبۃ، ص ٤۸۔

(۱۰) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب شھود الملائکۃ بدرًا، ح: ۳۷۰۱۔

(۱۱) ابن القیم، مدارج السالکین، ج۲، ص ٤۰٦۔

(۱۲) الغزالی، احیاء علوم الدین، ج۱، ص ٤۹۔

(۱۳) سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فرض الوضوء، ح: ۵٤۔

(۱٤) ابن القیم، مدارج السالکین، ج۲، ص ٤۰٦۔ (۱۵) الشاطبی، الموافقات، ج۳، ص ۳۸۲۔

(۱٦) الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن ج۲، ص ۱٦۹، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراھیم مکتبہ دارالتراث، القاھرۃ، الطبعۃ الثالثۃ، ۱٤۰٤ھ/۱۹۸٤ء۔ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، الجزء الخامس، ص: ۲۳۱۰، تحقیق: مرکز الدراسات القرآنیۃ، مجمع الملک فھد لطباعۃ المصحف الشریف، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ۱٤۲٦ھ۔ یہ روایت مرسل ہے اور مرسل وہ روایت ہوتی ہے جس میں کوئی تابعی براہِ راست نبی اکرم ﷺ سے کوئی بات بیان کرے، یعنی درمیان میں صحابیؓ کا ذکر نہ کرے۔ محدثین ایسی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ اس روایت کی سند سیدنا حسن بصریؒ تک صحیح ثابت ہے، جیسا کہ الاتقان کے اسی تحقیق شدہ نسخے کے حاشیہ میں صراحت کی گئی ہے۔

(۱۷) الفردوس: ج۳، ص ۲۸۰ بحوالہ الاتقان الجزء الخامس، ص ۲۳۱۱۔

(۱۸) دیکھئے الاتقان، ص ۲۳۱۱۔

(۱۹) الاتقان ' الجزء الخامس' ص ۲۳۱۴' ۲۳۱۳۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر منقطع ہے کہ ضحاک کی ابن عباسؓ سے ملاقات ثابت نہیں۔ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے قول کی اسناد بھی منقطع ہیں کہ ابووائل نے ان سے نہیں سنا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی بابت امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد' ج۷' ص ۱۶۵ میں فرمایا ہے کہ اسے طبرانی نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک سند کے راوی صحیح کے ہیں۔

(۲۰) پروفیسر غلام احمد حریری' تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ۵۳۷' ملک سنز پبلشرز' فیصل آباد' ۲۰۰۴ء۔

(۲۱) صحیح البخاری' کتاب التفسیر' باب قوله فسبح بحمد ربك ......' ح: ۴۵۸۸۔

(۲۲) محمد حنیف ندوی' مسئلہ اجتہاد' ص ۱۸۰' ۱۷۹' ادارہ ثقافت اسلامیہ' طبع چہارم' ۱۹۹۴ء۔

(۲۳) الزرقانی' مناهل العرفان' ج۲' ص ٦٦۔

(۲٤) خالد العك' اصول التفسير وقواعده' ص ۲۰۸' دار النفائس' الطبعة الثانية' ۱٤۰٦ھ/۱۹۸٦ء۔

(۲٥) الغزالی' احیاء علوم الدین' ج۱' ص ۲۹۳۔ نیز مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین' ج۱' ص ٤٤٦' ٤٤٥' مترجم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتویؒ' دارالاشاعت کراچی' اشاعت اول' جنوری ۱۹۷۹ء۔

(۲٦) فتاویٰ ابن الصلاح' ص ۲۹' بحوالہ تاریخ تفسیر و مفسرین' پروفیسر غلام احمد حریری' ص ۵۴۶۔

(۲۷) لطائف المنن' ص ۱۳٦ بحواله الاتقان للسیوطی الجزء الخامس' ص ۲۳۱٥۔

(۲۸) ابن تیمیّة ' مجموع الفتاوىٰ' ج۱۰' ص ٥٦۰۔

(۲۹) مجموع الفتاوىٰ' ج۲' ص ۲۸۔

(۳۰) مجموع فتاوىٰ شيخ الاسلام' ج۱۳' ص ۲٤۰۔

(۳۱) ابن القيم' مدارج السالكين' ج۲' ص ٤۰٦۔

(۳۲) ایضاً۔

(۳۳) الموافقات' ج۳' ص ٤۰۳ بحواله تاريخ تفسير و مفسرين' ص ٥٤۷۔

(۳٤) فتح الباری' ج۸' ص ۷۲۱' تحقيق :عبدالقادرشيبة الحمد' الطبعة الاولى' ۱٤۲۱ھ/۲۰۰۱ء۔

(۳٥) تفتازانی' شرح عقائد نسفی' ص ۲٥۸ بحواله الاتقان' ج٥' ص ۲۳۰۹۔

(۳٦) البرهان' ج۲' ص ۱۷۰۔

(۳۷) شرح الحكم' ص ۳٦٦۔

(۳۸) ایضاً' ص ۲۱۲۔

(۳۹) مناهل العرفان' ج۲' ص ۷٤۔۷۳۔

(٤۰) ابن عاشور' تفسير التحرير والتنوير' ج۱' ص ۳٦۔۳٤' الدارالتونسية للنشر' ۱۹۸٤ء۔

(٤۱) التفسير والمفسرون' ج۲' ص ۲٦٤' مكتبة وهبة' ۲۰۰۰ء۔

(٤۲) الشيخ عبدالله بن يوسف الجديع' المقدمات الاساسية فى علوم القرآن' ص ۳۷۹' توزيع: مؤسسة الريان' بيروت' لبنان' الطبعة الاولىٰ' ۱٤۲۲ھ/۲۰۰۱ء۔

(٤۳) مناع القطان' مباحث فى علوم القرآن' ص ۳٤۷' مكتبة وهبة' القاهرة' س۔ ن۔

(٤٤) محمد مالك كاندهلویؒ ' منازل العرفان' ص ۲۷۷۔

(٤٥) الموسوعة القرآنية المتخصصة' ص ۲۸٤' فصل التفسير والمفسرون' بقلم: ا۔ د۔جمال مصطفىٰ عبدالحميد 'طبعة القاهرة ۱٤۲۳ھ /۲۰۰۳ء عبدالوهاب النجار' نگرانی: ا ۔ د۔ محمود حمدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زقزوق (وزیر اوقاف)۔
(٤٦) الواضح فی علوم القرآن' ص ٢٤٠' ٢٣٩' دارالکلم الطیب' دِمشق' الطبعة الثانیة' ١٤١٨ھ/١٩٩٨ء۔
(٤٧) ابن القیم' التبیان فی اقسام القرآن' ص ٥٠۔
(٤٨) مباحث فی علوم القرآن' ص ٣٤٨۔
(٤٩) المقدمات الاساسیة فی علوم القرآن' ص ٣٧٩۔ (٥٠) اصول التفسیر وقواعدہ' ص ٢٠٨۔
(٥١) الزرقانی' مناھل العرفان' ج٢' ص ٦٩۔
(٥٢) پروفیسر غلام احمد حریری' تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ٥٣٤۔
(٥٣) المقدمات الاساسیة فی علوم القرآن' ص ٣٧٦۔
(٥٤) فتوحات مکیہ لابن عربی' ج١' ص ١١٥ بحوالہ التفسیر والمفسرون للذھبی' ج٢' ص ٢٥٧۔
(٥٥) التفسیر والمفسرون' ج٢' ص ٢٦٠۔ نیز تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ٥٣٤' ٥٣٣۔
(٥٦) الموسوعة القرآنیة المتخصصة' ص ٢٨٤۔
(٥٧) طاھر محمود محمد یعقوب' اسباب الخطأ فی التفسیر' ج٢' ص ٧٣١' دار ابن الجوزی' المطبعة الاولیٰ' ١٤٢٥ھ۔
(٥٨) فضائح الباطنیة للغزالی' ص ٣٧' بحوالہ اسباب الخطاء فی التفسیر' ص ٧٣١۔
(٥٩) مجموع الفتاوی' ج١٣' ص ٢٣٢ تا ٢٣٦ بتصرف نیز الموافقات للشاطبی' ج٤' ص ٢٠٨ ومابعد۔
(٦٠) احیاء علوم الدین' کتاب اسرار تلاوة القرآن' الباب الرابع فی فھم القرآن وتفسیرہ بالرأی من غیر نقل' ج٣/١' ص ١٣٨۔ نیز مذاق العارفین' ج١' ص ٤٤٢۔
(٦١) تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ٤٥٥۔
(٦٢) مولانا محمد حنیف ندوی' مطالعہ قرآن' ص ١٠٢' علم و عرفان پبلشرز' لاھور' ٢٠٠٢ء
(٦٣) مناھل العرفان' ج٢' ص ٦٧۔
(٦٤) صبحی صالح' مباحث فی علوم القرآن' ص ٢٩٧' دارالعلم للملایین' بیروت' الطبعة الرابعة' ١٩٦٥ء
(٦٥) تفسیر القرآن از تستری' ص ٤١۔
(٦٦) السلمی' حقائق التفسیر' ص ٢٨٤۔
(٦٧) التفسیر والمفسرون' ج٢۔
(٦٨) مبادی التفسیر از خضری' ص ٩۔
(٦٩) تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ٥٥٠۔
(٧٠) تاریخ تفسیر و مفسرین' ٥٥١۔
(٧١) تفسیر ابن کثیر' تفسیر سورہ یٰسین' آیت ١٢۔
(٧٢) مفاتیح الغیب للرازی' ج٧' ص ٤٤۔ دار الفکر' الطبعة الاولیٰ' ١٤٠١ھ/١٩٨١ء۔

میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔